غیر مقلدین کا علمی محاسبہ

مرتب

محمد ضیاء اللہ قادری

ناشر

فیضان مدینہ پبلی کیشنز

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غیر مقلدین کا علمی محاسبہ

جلد اول

مرتبہ

محمد نعیم اللہ خاں قادری

بی ایس سی۔ بی۔ ایڈ/ ایم اے اردو۔ پنجابی۔ تاریخ

فیضانِ مدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد عمر روڈ کاموں کے

نام کتاب ----------- غیر مقلدین کا علمی محاسبہ

مرتبہ ----------- محمد نعیم اللہ خاں قادری

----------- بی ایس سی۔بی۔ایڈ/ایم اے اردو۔پنجابی۔تاریخ

ناشر ----------- فیضان مدینہ پبلیکیشنز کاموں کے

صفحات ----------- ۱۱۵۲

باراول ----------- جولائی ۲۰۰۵ء

ہدیہ ----------- 550/- روپے

ملنے کے پتے :

- ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور 72250885 ☎ 7247350
- ضیاء القرآن پبلیکیشنز کراچی 2210212 ☎ 021-2630411
- شبیر برادرز لاہور ☎ 7246006 ❁ مکتبہ جمال کرم لاہور ☎ 7324948
- فرید بک سٹال لاہور 7224899 ❁ رضا ورائٹی لاہور ❁ پروگریسو بکس لاہور
- مسلم کتابوی لاہور ❁ مکتبہ نبویہ لاہور ❁ سنی کتب خانہ لاہور
- مکتبہ قادریہ گوجرانوالہ ☎ 237699 ❁ مکتبہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ ☎ 217986
- مکتبہ مہریہ رضویہ ڈسکہ ❁ غوثیہ کتب خانہ گوجرانوالہ • نوری کتب خانہ لاہور
- مکتبہ اعلیٰحضرت لاہور • میلاد پبلی کیشنز لاہور

فہرست رسائل

یہی وجہ ہے کہ اردن کے شاہ حسین، پی ایل او کے مسٹر یاسر عرفات، لیبیا کے کرنل معمر قذافی، ایران کے ہاشمی رفسنجانی اور دیگر بہت سے سربراہانِ مملکت نے سعودی عرب میں امریکی فوج کی موجودگی پر سخت الفاظ میں اعتراض کیا اور اس کی واپسی کا مطالبہ ہر چہار جانب سے کیا جا رہا ہے۔ بہت سے عرب ملک مثلاً اردن، یمن، سوڈان، مقبوضہ فلسطین وغیرہ میں امریکی افواج کی موجودگی کے خلاف مظاہرے ہو رہے ہیں۔ اور کویت پر عراقی حملے کی مذمت سے زیادہ اب سبھی ممالک اس مطالبہ پر زور دے رہے ہیں کہ امریکی فوج کو سعودی عرب سے فوراً واپس بلایا جائے۔

عرب عوام کو شدت سے اس بات کا احساس ہے کہ امریکہ اور مغربی طاقتیں عراق کے خلاف جو بھی اقدامات کر رہی ہیں ان کے ساتھ مسلم دشمنی اور عرب دشمنی کا جذبہ بھی شامل ہے۔ اور وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ سنہ ۱۹۶۷ء سے مغربی کنارہ اور غزہ پٹی پر اسرائیلی مظالم کو ختم کرنے کے لئے امریکہ کبھی آگے نہیں آیا بلکہ اسرائیل کی پشت پناہی اور حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ اور وہی امریکہ آج اچانک اتنا انصاف پسند اور اصول پرست کیسے بن گیا؟

کویت چھوڑنے کی عراقی پیش کش

امریکی و برطانوی دباؤ کو دیکھتے ہوئے صدام حسین نے اپنے اس بیان کے ذریعہ ایک زبردست جوابی وار کیا کہ:

"امریکہ کی مدد سے اسرائیل نے فلسطین و شام کے جن علاقوں پر قبضہ کیا ہے اسے خالی کر دے تو عراق بھی کویت سے دست بردار ہو جائے گا"

اس حملے سے مارگریٹ تھیچر اور جارج بش بوکھلا اٹھے اور انہیں اپنے ناپاک عزائم کے تار و پود بکھرتے نظر آئے۔ دوسری جانب کئی مسلم ممالک نے ان کے اس اعلان کا خیر مقدم کیا اور جگہ جگہ ان کی حمایت میں جلسہ و جلوس کا اہتمام کیا جانے لگا جس نے عراق و کویت تنازعہ کو ایک نیا موڑ دیا۔

کویتی بحران کو "خلیج تعاون کونسل"، "عرب لیگ" اور اسلامی وزرائے خارجہ کی میٹنگیں طلب کر کے حل کیا جا سکتا ہے۔ مگر امریکہ و برطانیہ کی غیر ضروری دلچسپی دیکھ کر ہمیں "مقدمۂ شاہ بانو" پر سپریم کورٹ کا فیصلہ یاد آ گیا اور پھر مسلمانانِ ہند کی عظیم الشان تحریک تحفظِ شریعت کے وہ مناظر ہماری نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے کہ ایک طرف تو مسلمان اپنی جان و مال کی بازی لگا کر مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کی تحریک چلا رہے تھے اور دوسری طرف ارون شوری اور بالا دیورس جیسے لوگ شاہ بانو کے غم میں آٹھ آٹھ آنسو بہا رہے تھے اور اس کی ہر طرح کی حمایت و اعانت کے لئے بے چین تھے۔

تو کیا جس طرح ارون شوری اور بالا دیورس وغیرہ "شاہ بانو" کے غم میں مگرمچھ کے آنسو بہا رہے تھے اور ان کا اصل مقصد کچھ اور تھا ٹھیک اسی طرح "سعودیہ" کے غم میں امریکہ اور برطانیہ وغیرہ دُبلے نہیں ہوئے جا رہے ہیں جن کا اصل مقصد کچھ اور ہے؟

ع نہاں پردوں میں جو ہے چشمِ بینا دیکھ لیتی ہے

برطانیہ اور آلِ سعود

اصل مسئلہ یہ ہے کہ برطانوی سامراج نے بیسویں صدی کے ربع اوّل میں "عرب قومیت" کا فتنہ جگا کر صہیونی منصوبہ کے تحت ترکوں کو جزیرۃ العرب سے باہر نکالا تھا جس کی گواہی اس دور کی پوری تاریخ دیتی ہے۔

حجاز مقدس سے شریف حسین کی امارت کو ختم کرنے کے لئے انگریزوں نے نجد کے سرکش قبیلہ آل سعود کو تاکا اور کرنل لارنس کے بنائے ہوئے منصوبہ کے تحت انہیں بھرپور مدد دے کر اپنی نگرانی میں سلطان عبد العزیز کو سنہ ۱۹۲۵ء میں حرمین شریفین پر قابض کیا۔

سعودی ریال کے زیر سایہ پل کر تحفظ حرمین کی دہائی دینے والے ہندوستانی علماء شاید ان دل دوز واقعات کو فراموش کر بیٹھے ہیں جب حرم شریف کے اندر آل سعود کی گولیاں کھا کر ترک نوجوان شہید ہو رہے تھے مگر اس پاک سرزمین کے احترام میں کوئی جوابی کارروائی نہ کرنے کی گویا انہوں نے قسم کھا رکھی تھی۔ اور جب ان سے کسی نے

سوال کیا کہ آپ کے ہاتھ میں بندوقیں ہیں اس کے باوجود اس بے بسی کے ساتھ گولیاں کھا کر کیوں شہید ہو رہے ہیں ؟ تو ایک ترک مرد مومن نے جواب دیا کہ گولیاں کھا کر مرجانا ہم پسند کرتے ہیں مگر حرم محترم کے تقدس پر کسی قیمت پر ہم آنچ نہیں آنے دیں گے ۔

حدود حرم کے اندر جب آل سعود کا یہ حال تھا تو اس سے باہر انہوں نے قتل و غارتگری اور سفاکی و درندگی کے کیسے کیسے ہولناک کارنامے انجام دئے ہوں گے ؟

اس طرح بیسویں صدی کے رُبع اول میں انگریزوں کے ظلِ عاطفت میں آل سعود نے حرمین شریفین پر قبضہ کیا۔ جب کہ آل سعود کے تسلط کو حجازیوں نے نہ اس وقت دل سے تسلیم کیا اور نہ آج وہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اگر کسی شخص کو اس حقیقت سے انکار ہو تو وہ حرمین شریفین میں اس سلسلے میں استصواب رائے کر کے خود صورت حال کی تحقیق کر سکتا ہے ۔

اور اب بیسویں صدی کے ربع آخر میں آل سعود نے امریکی سامراج کا دامن تھاما ہے تاکہ عالم اسلام کے ہاتھوں اپنا دامن تار تار ہونے سے بچایا جا سکے ۔

حجاز پر صلیبی و صیہونی حملہ

اس وقت ریاض، دمام، ظہران جو علاقہ نجد میں واقع اور حرمین شریفین سے تقریباً ایک ہزار کلومیٹر دور ہیں وہاں لگ بھگ ڈھائی لاکھ[1] مسلح امریکی فوجی موجود ہیں، جن میں بعض ذرائع کے مطابق پچاس ہزار سے زیادہ اسرائیلی فوجی ریگستانی ٹریننگ کی خدمت پر مامور ہیں ۔

ایک معمولی آدمی بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ یہ ڈھائی لاکھ[2] امریکی فوجیں اس وقت سعودی عرب پر ممکنہ عراقی حملہ کے دفاع کے لئے نہیں ہیں بلکہ سعودی عرب کی سرزمین سے عراق پر حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑی ہیں ۔

اور امریکہ نے اپنے شکنجہ میں سعودی عرب کو اس بری طرح جکڑ رکھا ہے کہ عالم اسلام

لہ، ۲ہ جن کی تعداد بعد میں تقریباً پانچ لاکھ ہو گئی ۔ اختر مصباحی

کی ناراضگی کے باوجود وہ اپنے آقا امریکہ سے اس درخواست کی جرأت نہیں کر پا رہا ہے کہ اس سے صاف صاف کہہ دے کہ اب آپ یہاں سے واپس تشریف لے جائیں کیونکہ ہم عالم اسلام سے فوجی امداد طلب کر کے خود اپنے دفاع کا انتظام کر رہے ہیں ؟ حالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ سعودیہ کے لئے ایسا کوئی قدم اٹھانا اب ممکن نہیں رہ گیا ہے ۔

ساری دنیا کے سیاسی و صحافتی حلقے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ "عظیم تر اسرائیل" کے خفیہ نقشے میں "خیبر" اور "مدینہ" بھی ایک مدت سے شامل کئے جا چکے ہیں۔ اور اخباری اطلاعات کے مطابق جب سعودی دعوت پر یہودی فوجیوں نے سرزمینِ سعودیہ پر قدم رکھا تو سب سے پہلے سجدۂ شکر ادا کیا ۔

اسلام کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ میں یہ پہلا حادثہ ہے جب اس بات کے مواقع یہودیوں کو میسر آئے ہیں کہ وہ براہِ راست جنگی نقطۂ نظر سے ان مقاماتِ مقدسہ کے قریب ہو کر اپنے مقاصد کی تکمیل کے امکانی راستے تلاش کر سکیں اور انہیں اپنا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر آئے ۔

کیا ایسے سنگین خطرات کے باوجود سعودیہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے مفادات سے بے نیاز ہو کر محض اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے ان فوجیوں کو اماکن متبرکہ سے کھیلنے اور ان پر دانت تیز کرنے کے ذرائع پیدا کر تا رہے ؟

سعودی نواز علماء

سعودی عرب کے شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز سے لے کر ہندوستان کے مولانا ابوالحسن علی ندوی و مولانا منت اللہ رحمانی و مولانا اسعد مدنی وغیرہ تک ایک لمبی فہرست ایسے علماء کی ہے جنہوں نے یہ فتویٰ صادر کر دیا ہے کہ سعودی عرب کی دعوت پر امریکی فوجیوں کی آمد جائز و درست اور بالکل حق بجانب ہے۔ اور اس خدمت کے لئے آل سعود نے رابطہ عالم اسلامی کو بھی استعمال کیا ہے اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اس کے وہ سبھی مراکز، مدارس اور ان کے علماء اس کے جواز کی تصدیق و تائید میں سرگرم نظر آ رہے ہیں جو

سعودی ریال سے ایک عرصہ سے فیض یاب ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

سعودی نواز علماء یہ کہنے اور لکھنے کو بہت بڑا کارِ ثواب سمجھ رہے ہیں کہ صدام حسین ظالم ہے۔ محسن کش ہے۔ کویت پر عراقی جارحیت ناقابلِ برداشت ہے۔ یہ قبضہ و انضمام اسلامی اصولوں کے منافی ہے۔ جارحیت کی ابتدا عراق نے کی ہے۔ فلسطینی مسئلہ کو اس نے ٹھنڈا کردیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہ کلمۂ حق کہنے کی ان کے اندر جرأت نہیں کہ بلا کسی سابقہ دعویٰ و استحقاق کے علاقۂ نجد سے آکر شریف حسین کے خلاف حرمین شریفین کے اندر آلِ سعود نے بھی تو ۲۵-۱۹۲۴ء میں اسی طرح کی جارحیت کی تھی اور عالمِ اسلام کے زبردست احتجاج کے باوجود اس کی یہ جارحیت آج تک برقرار ہے؟

نہ وہ یہ کہہ پا رہے ہیں کہ اگر سعودیہ کو اپنے دفاع کی ضرورت تھی تو مسلم ممالک سے مدد لینی چاہئے تھی۔ اور اب وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ڈھائی لاکھ امریکن فوج کی کیا ضرورت ہے؟ اتنے دن تک حالات کے سنبھل جانے کے بعد اسے واپس کرکے اس کی جگہ مسلم ممالک کی مشترکہ فوج رکھی جانی چاہیے؟

وہ یہ لب کشائی بھی نہ کرسکے کہ سعودیہ کے اندر مسلح یہود و نصاریٰ کا وجود حجازِ مقدس کے لئے ایک سنگین خطرہ ہے۔ خدانخواستہ انہوں نے وقتی معاہدات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کی طرف نگاہ اٹھائی تو عالمِ اسلام کا قبلہ اور حرمِ محترم بھی ان کی سازشوں کی آماجگاہ بن جائے گا اور مسلمان جو ابھی تک اپنے قبلۂ اول کو آزاد نہ کرا سکے وہ اس دوسرے بحران میں مبتلا ہوکر اپنی مرکزیت اور اسلامی شان و شوکت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

ہندوستان کے سعودی نواز علماء کے برعکس پاکستانی علماء کے موقف کا ذکر کرتے ہوئے قومی آواز دہلی نے یو۔ این۔ آئی کے حوالہ سے یہ خبر دی ہے۔

"اسلام آباد سے شائع ہو رہے ایک سرکردہ اخبار "امروز" کے مطابق لاہور میں منعقد مذہبی لیڈروں کی ایک کانفرنس میں مطالبہ کیا گیا کہ سعودی عرب میں مقدس مقامات کا تحفظ صرف مسلمان کرسکتے ہیں اور کسی غیر مسلم یا امریکی کو وہاں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

جمعیۃ علمائے اسلام اور جمعیۃ علمائے پاکستان نے سعودی عرب فوج بھیجنے کے فیصلہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ایک غیر اسلامی حرکت ہے۔ اخبار ڈان کے مطابق پاکستان پیپلز پارٹی نے بھی فوج بھیجنے پر نکتہ چینی کی ہے۔

(روزنامہ قومی آواز دہلی۔ ۵ راکتوبر ۱۹۹۰ء)

اور یو۔ این۔ آئی ہی کے حوالہ سے عالمِ اسلام کی کچھ مسلم تنظیموں کے ایک وفد کی سرگزشت پڑھئے جس سے سعودیہ کی امریکہ نوازی اور امریکی فوج سے عالمِ اسلام کی شدید نفرت یہ دونوں باتیں ایک ساتھ کھل کر ظاہر ہو جاتی ہیں۔

"اسلامی وفد کے ایک قریبی ذریعہ نے یہ بھی بتایا کہ سعودی قیادت نے امریکی افواج کی سعودی عرب میں آمد کے خلاف تنقیدوں پر سخت موقف اختیار کرتے ہوئے یہ بھی واضح کیا کہ یہ وفد جن اسلامی تحریکوں کی نمائندگی کرتا ہے اگر ان میں سے کسی نے بھی "امریکہ مخالف حملہ" کا سلسلہ شروع کیا تو سعودی حکومت "تمام لچک" ختم کردے گی۔

اس ۲۱ رکنی وفد میں اردن، مصر، یمن اور شام میں تنظیم الاخوان المسلمون کی شاخوں، سوڈان کی تحریک اسلامی، تیونس کی تنظیم النہضۃ الاسلامیہ، پاکستان کی حزبِ اسلامی، ترکی کے رفاہ گروپ، ملیشیا کی اسلامی پارٹی اور الجزائر کی تحریک الاصلاح والارشاد کے نمائندے شامل تھے۔

بنیادی طور پر ان تمام ہی تنظیموں نے سعودی عرب میں جہاں اسلام کے مقاماتِ مقدسہ واقع ہیں، غیر مسلم افواج کی آمد کی مخالفت کی ہے۔ اس وفد کی تشکیل اردن کی راجدھانی عمان میں منعقدہ ایک کانفرنس میں ہوئی تھی۔ امریکہ نے اسے "شدت پسندوں کی کانفرنس" قرار دے کر اس کے انعقاد پر اردن حکومت کی تنقید کی تھی۔

(روزنامہ قومی آواز دہلی۔ ۵ راکتوبر ۱۹۹۰ء)

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت

بڑے زور و شور کے ساتھ ایک عرصہ سے پوری دنیا میں اس کا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے

(ص ۳۰۰۔ التاج المکلل عربی سے ترجمہ)

مسلمانانِ ہند کی اجتماعی کوششوں کو ہمیشہ سبوتاژ کرتے رہنے والے قائدِ ملّی مولانا اسعد مدنی صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند کے والد مولانا حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند اسی شیخ نجدی کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

"صاحبو! محمد بن عبد الوہاب نجدی ابتدا تیرہویں صدی میں نجد سے ظاہر ہوا اور چونکہ خیالاتِ باطلہ و عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لئے اس نے اہل سنّت و جماعت سے قتل و قتال کیا۔ ان کو بالجبر اپنے خیالات کی دعوت دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا۔ ان کے قتل کو باعثِ ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکالیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی کے الفاظ استعمال کئے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ و مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوگئے"۔

(ص ۴۲۔ الشہاب الثاقب)

بہرحال! زن زر اور زمین کی بنیادی دفعات پر شیخ ابن عبد الوہاب نجدی و محمد بن سعود کا معاہدہ ہوا اور اسی پالیسی پر ان کی آنے والی نسلیں بھی عمل کرتی رہیں۔

معاہدہ برطانیہ و آل سعود

مغربی مؤرخ اسٹینلے لین پول عرب قومیت کی بنیاد پر ترکوں سے عرب کی بغاوت کے بارے میں لکھتا ہے؛

عرب میں انگریزوں نے ایک دوسرے طریقے سے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ کرنل لارنس کی برسوں کی خفیہ کوششیں آخرش بار آور ہوئیں اور عرب برطانیہ کی سرپرستی میں "عرب نیشنلزم" (قومیت) کے جوش میں ترکوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ برطانیہ کی تدابیر نے عربوں کو ترکوں کے مقابلے پر لاکر اس کے اثر کو ہمیشہ کے لئے زائل کردیا۔

(ص ۴۸۷ سلاطین ترکیہ)

"مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے کراچی کی خلافت کانفرنس میں بھرے مجمع میں اعلان کیا تھا کہ اگر کسی وقت شریف مکہ امیر فیصل برطانیہ کے خلاف ہو جائیں تو انگریز نے حفظ ما تقدم کے طور پر ایک دوسرے پٹھو کو بھی تیار کرلیا ہے اور وہ ہے ابن سعود"۔

(ص ۱۹۲ تاریخ نجد و حجاز)

سعودی ملاک کے بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم و مفکر مولانا ابو الحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ اس موضوع پر اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں: "قومیت پرستوں کی قیادت وہ انگریز کر رہے تھے جن کی پوری تاریخ اور جن کے خطا کار ہاتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف گھناؤنے اور مکروہ جرائم میں ملوّث ہیں۔ ان علمبردارانِ قومیت نے انگریزوں سے یہ ساز باز گوارہ کرلیا مگر ان مسلم ترکوں کے ساتھ رہنے سے انکار کردیا جنہوں نے پانچ صدیوں تک یورپ میں اسلام کا پرچم لہرایا اور اعدائے اسلام کو لرزہ براندام کردیا تھا ترک اپنی کمزوریوں کے باوجود اسلام اور اس کی شوکت و عظمت کا نشان تھے۔ قومی نشہ میں یہ عرب اتنے مدہوش ہوئے کہ کتاب و سنت کے ان نصوصِ قطعیہ کو بھی بھول بیٹھے جن میں مسلمانوں کے خلاف اعدائے اسلام سے موالات اور ان کے ساتھ رہ کر جنگ و مقابلہ کو حرام فرمایا گیا ہے۔ انہوں نے صرف ان دل کش سیاسی وعدوں پر اعتبار کرلیا جو آئے دن بدلتے رہتے ہیں اور جس سیاسی شریعت میں مصلحت کو صحیفۂ آسمانی اور قوت کو معبود سمجھا جاتا ہے"۔ (عربی سے ترجمہ ص ۹۔ العرب والاسلام مطبوعہ بیروت)

نجد کے توحید پرستوں اور برطانیہ کے تثلیث پرستوں کے درمیان ہونے والا مندرجہ ذیل معاہدہ ۱۹۱۵ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا جس کی ۱۹۲۰ء میں بھی تصدیق و توثیق ہوئی۔ چشم عبرت کھول کر یہ معاہدہ پڑھئے جسے تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کرلیا ہے۔

دفعہ اوّل، حکومت برطانیہ اعتراف کرتی ہے اور اس کو اس امر کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے کہ علاقہ جات نجد، احساء، قطیف، جبیل اور خلیج فارس کے ملحقہ مقامات جن کی حد بندی بعد کو ہوگی۔ یہ سلطان ابن سعود کے علاقہ جات ہیں اور حکومت برطانیہ اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ ان مقامات کا مستقل حاکم سلطان مذکور اور اس کے

اجداد ہیں۔ ان کو ان ممالک اور قبائل پر خودمختار حکومت ہے۔ اور اس کے بعد ان کے لڑکے ان کے صحیح وارث ہوں گے لیکن ان ورثاء میں سے کسی ایک کی سلطنت کے انتخاب و تقرر کے لئے یہ شرط ہوگی کہ وہ شخص سلطنتِ برطانیہ کا مخالف نہ ہو اور شرائط مندرجہ معاہدہ ہٰذا کے خلاف بھی نہ ہو۔

دفعہ دوم:۔ اگر کوئی اجنبی طاقت سلطان ابن سعود اور اس کے ورثاء کے ممالک پر حکومت برطانیہ سے مشورہ کئے بغیر یا اس کو ابن سعود سے مشورہ کرنے کی فرصت دیئے بغیر حملہ آور ہو تو حکومت برطانیہ ابن سعود سے مشورہ کرکے حملہ آور حکومت کے خلاف ابن سعود کو امداد دے گی اور اپنے حالات کو ملحوظ رکھ کر ایسی تدابیر اختیار کرے گی جن سے ابن سعود کے اغراض و مقاصد اور اس کے ممالک کی بہبود محفوظ رہ سکے۔

دفعہ سوم:۔ ابن سعود اس معاہدہ سے راضی ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ،

۱۔ وہ کسی غیر قوم یا کسی سلطنت کے ساتھ کسی قسم کی گفت گو یا سمجھوتہ اور معاہدہ کرنے سے پرہیز کرے گا۔

۲۔ ممالک مذکورہ بالا کے متعلق اگر کوئی سلطنت دخل دے گی تو ابن سعود فوراً حکومت برطانیہ کو اس امر کی اطلاع دے گا۔

دفعہ چہارم:۔ ابن سعود عہد کرتا ہے کہ وہ اس عہد سے پھرے گا نہیں اور وہ ممالک مذکورہ یا اس کے کسی دوسرے حصے کو حکومت برطانیہ سے مشورہ کئے بغیر بیچنے، رہن رکھنے، مستاجری یا کسی قسم کے تصرف کا مجاز نہ ہوگا۔ اس کو اس امر کا اختیار نہ ہوگا کہ کسی حکومت یا کسی حکومت کی رعایا کو برطانیہ کی مرضی کے خلاف ممالک مذکورہ بالا میں کوئی رعایت یا لائسنس دے۔

ابن سعود وعدہ کرتا ہے کہ وہ حکومتِ برطانیہ کے ہر ارشاد کی تکمیل کرے گا اور اس میں اس امر کی قید نہیں ہے کہ وہ ارشاد اس کے مفاد کے خلاف ہے یا موافق۔

دفعہ پنجم:۔ ابن سعود عہد کرتا ہے کہ مقامات مقدسہ کے لئے جو راستے اس کی سلطنت سے ہو کر گزرتے ہیں وہ باقی رہیں گے اور ابن سعود حجاج کی آمد و رفت کے زمانے

میں ان کی حفاظت کرے گا۔

دفعہ ششم:۔ ابن سعود اپنے پیش رو سلاطین نجد کی طرح عہد کرتا ہے کہ وہ علاقہ جات کویت، بحرین، رؤساء و شیوخ عرب، عمان کے ان ساحلی علاقہ جات اور دیگر ملحقہ مقامات کے متعلق جو برطانوی حمایت میں ہیں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گا۔ ان ریاستوں کی حد بندی بعد کو ہوگی جو برطانیہ سے معاہدہ کر چکی ہیں۔

دفعہ ہفتم:۔ اس کے علاوہ حکومت برطانیہ اور ابن سعود اس امر پر راضی ہیں کہ طرفین کے بقیہ باہمی معاملات کے لئے ایک اور مفصل عہد نامہ مرتب و منظور کیا جائے گا۔

مؤرخہ ۱۸ صفر ۱۳۳۴ھ ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء

مہر و دستخط عبدالعزیز السعود۔ دستخط بی ریڈ کاکس وکیل معاہدہ ہٰذا و نمائندہ برطانیہ، خلیج فارس۔ دستخط چیمسفورڈ نائب معظم وائسرائے ہند۔

یہ معاہدہ وائسرائے ہند کی طرف سے گورنمنٹ آف انڈیا بمقام شملہ ۱۸ مئی ۱۹۱۶ء کو تصدیق ہو چکا ہے۔ دستخط اے۔ ایچ گرانٹ سکریٹری حکومتِ ہند شعبہ خارجیہ و سیاسیات۔

جمہوری اور شورائی نظام کا مطالبہ

۱۹۲۶ء میں موتمر اسلامی کا جو بین الاقوامی اجلاس ہوا اس میں وفد خلافت کمیٹی نے شخصی و موروثی نظام حکومت کی مخالفت کی اور عالم اسلام کے نمائندوں کے سامنے سعودیوں کو مخاطب کرتے ہوئے مولانا محمد علی جوہر نے کہا۔

"ہم اسی کتاب و سنت کے نام پر آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ ملوکیت چھوڑ کر جمہوریت اختیار کیجئے اور قیصر و کسریٰ کی بجائے صدیق و فاروق کی سنت اختیار کیجئے۔"

۳۱ مئی ۱۹۲۶ء کو مولانا جوہر نے مذکورہ اپیل کی اور پھر حجاز مقدس میں نظام حکومت کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے خلافت کمیٹی نے اپنی یہ رائے پیش کی: "ہماری رائے ہے کہ حجاز میں کسی قسم کی بادشاہت قائم نہ ہو، حکومت کسی خاندان کے ساتھ ہرگز وابستہ نہ ہو۔ حکومت میں وراثت کا کوئی تعلق نہ ہو۔ حکومت شوریٰ اور جمہوری ہو۔